محمد جان عاطفؔ کی اُردو غزل میں معروضی حقائق

روبینہ یاسمین [1]

Abstract:

Mohammad Jan Atif is one of the few poets of the locality of Kohat (KPK), who has stronghold position in Urdu odes (Ghazal) in Urdu literature by creating seven anthologies of Urdu Poetry. He has gracefully covered innovative and multiple realities in his Urdu odes so delicately. In this research paper the scholar has analyzed the Mohammad Jan Atif odes in the content of the current flow thought.

Keywords: Urdu Poetry, Urdu Odes, Kohat, KPK, Sarhad, Anthologies, Innovative.

محمد جان عاطف (خیبرپختونخوا) کوہاٹ کے علاقے کے چند شعرا میں سے ایک ہیں -جو اردو شاعری کی سات بشریات تخلیق کرتے ہوئے اردو ادب میں اور اردو غزل میں اہم مقام رکھتے ہیں -اُنھوں نے بڑی نزاکت اور باوقار انداز سے اردو غزل میں جدید اور متعدد حقائق کا احاطہ کیا ہے-اس تحقیقی پرچے میں اسکالر نے محمد جان عاطف کی غزلیات میں جدید رواں خیالات کے موضوع کا تجزیہ کیا ہے۔

کلیدی الفاظ: محمد جان عاطفؔ، سرحد، کوہاٹ، خیبر پختون خوا، اُردو شاعری، اُردو غزل۔

محمد جان عاطفؔ صوبہ خیبر پختون خوا کے ادب قبیلے کوہاٹ میں مارچ ۱۹۵۵ء میں پیدا ہوئے جنھیں اللہ نے بے پناہ ادبی صلاحیتوں سے نوازا۔ اُنھوں نے اپنی پوری زندگی ادب کی خدمت کے لیے وقف کر دی ہے۔ ۱۹۷۳ء سے اُنھوں نے اپنی شاعری کا آغاز کیا۔ ریڈیو اور ٹیلی وژن کے مشاعروں میں اپنا کلیدی کردار ادا کیا۔ ان کا ادبی ادارہ ''ینگ رائٹرز ایکویٹی ۱۹۸۶ء'' اپنی علمی و ادبی سرگرمیوں کے باعث کوہاٹ کی ادبی تاریخ کا ایک باب بن چکا ہے۔ ان کا ایک ماہ نامہ ادبی رسالہ ''عدنان'' ۱۹۹۳ء بھی کوہاٹ سے جاری ہوتا ہے۔ وہ ایک ادبی فعال شخصیت ہیں۔ جُہد مسلسل، عمل پیہم اور بلند و اعلیٰ ہمت جیسے اوصاف ان کی شخصیت کا خاصہ ہیں۔ ان کی ادبی سرگرمیوں میں صرف ایک زبان نہیں ملتی بلکہ بیک وقت اُردو، ہندکو اور پشتو تینوں زبانوں کی ترویج و اشاعت میں اپنی گراں قدر خدمات سرانجام دے رہے ہیں اور ان تین زبانوں میں ان کے ۱۹ مجموعے اب تک منظرِ عام پر آچکے ہیں، جن میں نثری اور خصوصاً شاعری کی مختلف اصناف پر طبع آزمائی ملتی ہے لیکن ان میں اُردو غزل کو اپنی خصوصی توجہ کا مرکز بنایا۔ اپنی ہمہ جہت سرگرمیوں کی بدولت اُنھوں نے کوہاٹ میں اپنی اہمیت ثابت کر دی ہے اور آج تک بڑی چابک دستی سے ادبی سرگرمیوں میں مصروف عمل ہیں۔ اپنی ادبی خدمات کی بدولت تقریباً چودہ اعزازات ملک بھر سے اپنے نام کر چکے ہیں۔ محکمہ بہبود آبادی کی ملازمت سے ۱۸ مارچ

۱ پی ایچ ڈی سکالر، شعبہ اردو، اسلامیہ کالج یونی ورسٹی، پشاور

۲۰۱۵ء میں سبکدوش ہو چکے ہیں۔ معروضی حقائق سے مراد وہ خارجی حقائق ہیں جس سے آئے روز ہمارا واسطہ پڑتا ہے اور جس کا شعور ہر ذی روح کو ہوتا ہے۔

کوئی بھی تخلیق اپنے ارد گرد کے حالات و واقعات کے اثرات کی قبولیت سے بے نیاز نہیں ہو سکتی۔ کسی نہ کسی طور اس میں معاشرتی روایات و اقدار، لسانی تشکیلات کی ہنر بھی شامل ہوتی رہتی ہیں۔ یہ سلسلہ شعوری اور لاشعوری دونوں سطحوں پر جاری رہتا ہے اور یہ یقین کراتا رہتا ہے کہ معاشرے اور ادب کا تعلق ناگزیر ہوتا ہے۔ اسی حساسیت کی بنیاد پر تو ادیب و شاعر معاشرے میں انفرادیت کے حامل قرار دیے جاتے ہیں۔ ان کے ہاں اجتماعی زندگی کے مسائل اور مصائب اتنی شدت کے ساتھ ملتے ہیں جتنی شدت کے ساتھ واقع ہوتے ہیں اور غزل تو ہے ہی زندگی اور اس کے متعلقات کو اپنے اندر سمونے کی صنف۔ یہی وجہ ہے کہ محمد جان عاطفؔ اپنی اُردو غزل میں اپنے دور کے معروضی حقائق کو بڑی شائستگی کے ساتھ پیش کرتے ہیں۔ وہ اپنے عصری کیفیات کو حقیقت نگاری کے ساتھ پیش کرنے کے ہنر سے اچھی طرح آگاہ ہیں۔ وہ مادیت کے اس دور کے مسائل کو جتنی شدت کے ساتھ محسوس کرتے ہیں اور اتنی ہی خوبصورتی سے اُنھیں شاعری کا روپ دیتے ہیں۔ اُنھیں اجتماعی زندگی کے مسائل و مصائب کا پورا ادراک حاصل ہے۔ قمر اقبال اپنے ایک مضمون میں لکھتے ہیں:

> ''اس (عاطف) کی غزل اس زمانے اور اس زمانے میں بسنے والے تمام انسانوں کی حقیقی رویوں کا ایک ایسا آئینہ ہے کہ جس میں ہمیں اس دور کا انسان جہاں اپنی تمام تر رعنائیوں سمیت چلتا پھرتا دکھائی دیتا ہے اور انسانی رشتوں کی پائمالی کی کمیابی، اخلاقی اقدار کی نایابی و ظلم کی فراوانی اور عدل و مساوات کی کمیابی اسے خون کے آنسو رلاتی ہے اور انہی آنسوؤں سے اس کی شاعری کا خمیر اٹھتا ہے۔''[1]

معیارِ زندگی کو بلند کرنے اور بنیادی ضرورتوں کی تکمیل کے لیے آج گرداں رہنے والا دورِ جدید کا ہر انسان جدت کے نام پر اپنے دیرینہ روایات کو فراموش کر بیٹھا ہے۔ دوسروں کے درد کا درماں بننے کی بجائے اپنے ذاتی و انفرادی خواہشات نے اسے بے حسی کی انتہا پر پہنچا دیا ہے اور ''هَلْ مِنْ مَزِید'' کی تگ و دو میں ایک دوسرے کے ساتھ مل بیٹھنے کی گنجائش تک ختم ہو کر رہ چکی ہے۔ یہاں تک کہ انسان اپنے ہی گھر میں تنہا رہ چکا

ہے۔ فضا میں ایک گھمبیر سی اداسی ہر سو پھیل چکی ہے جس نے محمد جان عاطؔف کو بے چینی اور مایوسی کا شکار بنادیا ہے اور وہ ان حالات کو کچھ اس طرح اپنے قلم کی نوک پر لاتا ہے:

بُتان رنگ و بو سے ہر دریچہ خلد ساماں ہے
یہاں ہرگام انساں کے چلن کی آزمائش ہے[۲]

آدمی تو ہے وہی چہرہ ہے کچھ بدلا ہوا
جیسے تازہ پھول پر بھنورا کوئی چمٹا ہوا[۳]

اتنا مت کر بھروسا بات میری یہ مان
سانپ نہیں زہریلے اتنے جتنے ہیں انسان[۴]

اُنھوں نے موجودہ ہوس پرستی پر کھل کر بات کی ہے جس نے انسان کو انسانیت کی اخلاقی اقدار سے قطعی بے گانہ کر دیا ہے۔ آسائش کی تلاش میں سرگرداں انسان کے ذہن و ضمیر پر جو دبیز سائے پڑے ہوئے ہیں۔ان پر سچی آواز اٹھانے کا فن ہر کسی کو نہیں آتا۔ مال و دولت کی چمک نے معاشرے کی آنکھوں میں ایسی چکا چوند پیدا کر دی ہے کہ خواب و خیال کا حسن مٹ چکا ہے۔ ایسے حالات میں عاطؔف نہ صرف سچائی بلکہ جارحانہ انداز میں اظہار کرتے ہیں:

جوزر کے واسطے اپنی خودی بھی بیچ دیتا ہے
کوئی اندازہ کرسکتا ہے اس کی زر پرستی کا[۵]

صدائے حق سے سماعت ہوئی ہے محروم
کہ آج بر سرِ منبر کوئی خطیب نہیں[۶]

آج کے دور کا انسان خدا بن بیٹھا
آج کے دور کے انسان کو مر جانے دو[۷]

اظہار کا بے باک لہجہ اس کی خود اعتمادی کی دین ہے۔ حق بات کہنے اور حق کام کر گزرنے کا ملکہ عطیہ خداوندی ہے اور اسی عطیہ خداوندی کے تحت وہ سچے تجربوں اور زندہ جذبوں کے مالک ہیں۔

محمد جان عاطفؔ معاشرتی ناہمواریوں کے خلاف آواز اٹھا کر حق اور انصاف کا تقاضا کرتے ہیں۔ معاشرے میں قائم کردہ تضادات اور امتیازات اور عدم مساوات پر نشتر برساتے ہیں۔ گول مول وضاحتوں کے قطعاً قائل نہیں ہیں بلکہ انسانی مساوات کے علم برداریوں بنتے ہیں:

اس عہد میں انصاف بھی مانگوں تو ہو مجرم
انصاف کا پھر لفظ مٹا کیوں نہیں دیتے[۸]

جس نے سچ بولا اسے دار پہ کھینچا اس نے
ایسا منظر بھی کبھی آپ نے دیکھا ہو گا[۹]

ہے عجب دستور اب لٹتے ہیں دن میں قافلے
جرم یہ کرتے تھے پہلے لوگ کالی راتوں میں[۱۰]

یوں اُنھوں نے زندگی کی تلخیوں اور ناکامیوں کی خوب عکاسی کی ہے اور تند و تلخ اور المیہ حقائق کا برملا اظہار کیا ہے جو اخلاقی احساسات کو بیدار کر کے اعلیٰ انسانی جذبات کو روشناس کراتی ہیں۔ بلا خوف تبادلہ خیالات اور حالات کے تناظر میں بات کرنا جمہوریت کی بقا کے لیے بھی لازم و ملزوم ہیں۔

محمد جان عاطفؔ ایک باشعور انسان ہیں تبھی تو اسے اپنے عصری شعور میں ہر امر کا ادراک حاصل ہے۔ نہ صرف سماجی بلکہ ملکی سطح پر ہونے والے حالات کا عکس واضح طور ان کے اشعار میں جھلکتا دکھائی ہے اور یوں ایسی سچی تصویریں پیش کرتا ہے کہ محسوس ہوتا ہے کہ ان کو آنے والے وقت کا اُنھیں پہلے سے ہی ادراک ہوتا ہے۔ وہ اپنی نظر بینا سے انسانوں کو دو طبقوں میں بٹتا ہوا دیکھتا ہے یعنی لوٹنے والے اور لٹنے والے۔ چوں کہ عاطفؔ خود لٹنے والوں میں سے ہے اس لیے ان کی آواز فطری طور پر مجبور محروم اور مظلوم انسانیت کا ساتھ دیتی ہوئی اٹھتی ہے:

اُنھیں کو سونپ دی انسان کی قسمت
جنھیں انسان سے بے زاری رہی ہے[۱۱]
امیر شہر کے ظلم و ستم کا پوچھتے کیا ہو
ہر ایک چھوٹا بڑا شاکی ہے اس کی چیرہ دستی کا[۱۲]

اس کے علاوہ موجودہ دور کی غیر مستحکم سیاسی صورت حال، آقاؤں کی طرز حکومت اور عوام دشمن پالیسیوں نے پاکستانی معاشرے کو طرح طرح کے سماجی اور فکری مسائل سے دوچار کر دیا ہے۔ ہر شعبے میں بے سمتی نے انسان کو اندر اور باہر سے چکنا چور کر دیا ہے اور ہر ذی شعور انسان نے ان کے خلاف آواز اٹھانے کو اپنا حق سمجھا۔ اس میں شاعر جیسے حساس طبقے پر ان کا اثر براہ راست پڑتا ہے اور محمد جان عاطؔف نے اپنے عصری خدوخال کو اپنے کلام میں سمو کر کبھی مبہم اور کبھی غیر مبہم انداز میں بیاں کیا اور موجودہ غیر یقینی صورت حال میں بھی مصلحت پسندی کو شیوہ نہیں بنایا۔ وہ موجودہ سیاسی صورت حال سے نہ صرف غیر مطمئن ہیں بلکہ ان کے خلاف سراپا احتجاج ہیں۔ اس حوالے سے جمیل سراج لکھتے ہیں:

''محمد جان عاطؔف کی شاعری میں مزاحمتی عناصر کا بہت زیادہ عمل دخل ہے۔ وہ بے انصافیوں، فرقہ واریت، رشوت، سماجی ناہمواریوں اور دہشت گردی کے خلاف آواز اٹھاتے ہیں۔''[۱۳]

اُنھوں نے استحصالی قوتوں کے خلاف بھرپور انداز میں آواز اٹھائی۔ ان کے کھوکھلے نعروں اور دعوؤں کے خلاف کھل کر مزاحمت کا رویہ اپنایا لیکن اندازِ بیاں کی شائستگی اور لہجے کے بانکپن کو مجروح ہونے نہیں دیا۔

یوں کھلونوں سے بہلاؤ گے کب تک بھلا
سبز باغ اس طرح سے کب تک دکھائے جائیں گے[۱۴]
حساب دینا پڑے گا کبھی تو ان کو بھی
پناہ ڈھونڈتے رہتے ہیں جو شرابوں میں
جو کل تلک بڑے فرعون بن کے بیٹھے تھے
وہ آج کرب سے ہیں مبتلا عذابوں میں[۱۵]

امیر شہر کے خود ساختہ حالات، سازشوں اور چہرہ دستیوں سے بغیر کسی خوف کے پردہ اٹھاتے ہیں اور جبر و استبداد کے خلاف اعلانیہ مزاحمتی رویے ان کے ہاں کثرت سے موجود ہیں۔ وہ حقیقت کی دنیا میں بندِ گان خدا کو بندگان درہم و دینار اور سیاست واقتدار کے ہاتھوں ذلت ورسوائی کی پستیوں میں بھٹکتا ہوا دیکھتے ہیں جس سے چاروں طرف ہوش رُبا ابتری اور انتشار ہی انتشار دکھائی پڑتا ہے۔ جب وہ قوم کی بے سکونی و بدحالی کے بدلے چند ارباب اختیار کو شراب و شباب کے مزے لوٹتے ہوئے دیکھتے ہیں تو بے ساختہ چیخ اٹھتے ہیں:

انسان کو کس مقام پہ لے آئے رہنما
خود بار ہو کے رہ گئی انسان پہ زندگی[۱۶]
نہ غنچوں کی جگر چاکی سے بدلی فطرت گلچیں
نہ پوچھا باغباں نے بے زبان کا مدعا کیا ہے[۱۷]

محمد جان عاطؔف کی اُردو غزل کے یہ تمام رنگ فکر کے سُوتے سے پُھوٹتے ہیں اور پھر ان کے خالص اور سچے جذبات ہیں اس لیے قاری کو اپنی گرفت میں لے لیتے ہیں اور ان کے اشعار کی سچائی ہی ان کی تاثیر کی دلیل ہے۔ ان کی اُردو غزل اپنے دور کے معاشرت کی پوری طرح آئینہ داری کرتے ہیں اور جو محسوس کرتے ہیں۔ زبان پر برملا لانے سے ہرگز ہچکچاتے نہیں اور سیدھے انداز میں بغیر بناوٹ اور تصنع کے پیش کر دیتے ہیں جو ہر کسی کے بس میں نہیں ہوتا۔

زندگی اور مسائل کے متعلق شاید ہی کوئی ایسا گوشہ رہا ہو جس کو اُنھوں نے اپنی غزل کا حصہ نہ بنایا ہو۔ یوں محمد جان عاطؔف کوہاٹ کے ایک ایسے سخن ور کے طور پر سامنے آتے ہیں جو اپنی شاعری میں معاشرتی، سماجی، تہذیبی، سیاسی اور دیگر بدعنوانیوں اور خرابیوں پر کھل کر تنقید کرتے ہیں۔ ان کی فکر، اسلوب اور نفس

مضمون عصر حاضر کے حادثات و واقعات اور جذبات واحساسات کا سچا آئینہ ہے۔اُنھوں نے اپنی اُردو غزل کو حقیقی زندگی کا ترجمان بنا کر اس میں صداقت و واقعیت بھر دی اور زمینی صداقتوں سے کبھی انحراف نہیں کیا بلکہ ہر قسم کی عصری سرگرمیاں اور حقائق ان کی غزل میں سمٹ آئی ہیں۔

حوالہ جات

۱۔ فکر اقبال، ''رنگارنگ تتلیاں''، مشمولہ: ینگ رائٹرز ایکوئیٹی کوہاٹ کا سولہواں سال (کوہاٹ: ینگ رائٹرز ایکویٹی،۲۰۰۳ء)،ص۴۸۔

۲۔ جان عالؔطف محمد،صبائے غزل(کوہاٹ: ینگ رائٹرز ایکویٹی،۱۹۸۴ء)،ص۲۷۔

۳۔ جان عالؔطف محمد،رعنائی غزل(کوہاٹ: ینگ رائٹرز ایکویٹی،۲۰۰۰ء)،ص۶۶۔

۴۔ جان عالؔطف محمد،خزاں میں تتلیاں(کوہاٹ: ینگ رائٹرز ایکویٹی،۱۹۹۴ء)،ص۶۳۔

۵۔ جان عالؔطف محمد،رعنائی غزل،ص۸۵۔

۶۔ جان عالؔطف محمد،خزاں میں تتلیاں،ص۲۷۔

۷۔ جان عالؔطف محمد،صبائے غزل،ص۷۰۔

۸۔ جان عالؔطف محمد،ابرِ غم،(کوہاٹ: ینگ رائٹرز ایکویٹی،۱۹۹۰ء)،ص۵۳۔

۹۔ ایضاً،ص۹۵۔ ۱۰۔ ایضاً،ص۴۳۔

۱۱۔ جان عالؔطف محمد،صبائے غزل،ص۱۱۔

۱۲۔ جان عالؔطف محمد،رعنائی غزل،ص۹۔

۱۳۔ جمیل سراج،مکتوب بنام راقمہ،۱؍اگست ۲۰۱۱ء۔

۱۴۔ جان عالؔطف محمد،صبائے غزل،ص۸۴۔

۱۵۔ جان عالؔطف محمد،رعنائی غزل،ص۸۴

۱۶۔ ایضاً،ص۶۔

۱۷۔ جان عالؔطف محمد،صبائے غزل،ص۸۷۔